سعودی حکومت اور اُمتِ مسلمہ میں اعتماد کی ضرورت!

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی (دوسری اور آخری قسط)

حقِ حرمین اور عمرہ فیس!

حرمین شریفین اُمتِ مسلمہ کا مشترکہ روحانی ورثہ ہے، اس ورثہ میں عرب وعجم، مرد وخواتین اور بوڑھے، بچے سب برابر کے حق دار ہیں۔ حرم کے مستقل باسیوں کا حرم میں جتنا حق ہے اتنا ہی حق دنیا کے کسی اور کونے سے آنے والے کا ہے: ''سواء ن العاکف فیہ والباد'' (الحج:۲۵) کے ذیل میں اس کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اپنے اس روحانی وراثتی حق سے جائز طور پر مستفید ہونا چاہے تو دنیا کا کوئی جابر حاکم یا جبری قانون اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا۔ کسی مسلمان کے لیے حرم شریف جانا ایسا ہی ہے جیسے وہ اپنے ملکیتی گھر میں یا محلے کی مسجد میں چلا جائے، جس طرح یہاں کسی کو رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں، اسی طرح حرم جانے والے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا بھی شرعی وقانونی لحاظ سے جائز نہیں۔

آیت بالا کے ضمن میں جصاص، قرطبی اور رازی جیسی فقہی تفاسیر میں متعدد آثار واحادیث کے حوالوں سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ حرم میں کسی کا ایسا امتیازی حق نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اس کے حق سے محروم کرسکے۔ یہاں پر مفسرین نے ''عاکف'' اور ''باد'' کے مساویانہ حق کی مراد میں دو قول ذکر فرمائے ہیں: ۱:......حرم اور اس کے اطراف کی املاک میں مالکانہ مساوات مراد ہے، ۲:......عبادات کے استحقاق میں مساوات مراد ہے، پہلے قول کے مطابق بعض فقہاء نے حرم کے اطراف (مکہ) کی اراضی کی خرید و فروخت اور عمارتوں کے کرایہ لینے سے اس بنا پر منع فرمایا ہے کہ ارض حرم اور اس کی عمارتیں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتیں، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملک ہے، ظاہر ہے کہ ایک شریک دوسرے شریک سے کرایہ کا مطالبہ کرے تو وہ شرعاً جائز نہیں (۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے مکہ والوں کو یہاں تک کہہ رکھا تھا کہ اپنے گھروں کے دروازے ہی مت بناؤ، اگر حفاظت کی خاطر دروازے بنانا ناگزیر ہو جس کی اجازت بھی دی گئی تھی، تو حاجیوں کے لیے دروازے بند کرنے پر اُکھاڑنے کا حکم اور عمل بھی ملتا ہے۔ اوائل اسلام میں تو مکہ کے ملکیتی گھروں کو سوائب (کھلی ملکیت)

سے یاد کیا جاتا تھا، تاکہ ''بادی'' (باہر سے آنے والے حاجیوں ومعتمر) جہاں چاہیں ٹھہر سکیں، اور آپؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

''من أکل کراء بیوت مکۃ فإنما أکل نارًا فی بطنہٖ ۔''

''وروی عن عمرؓ وابن عباسؓ و جماعۃ إلٰی أن القادم لہ النزول حیث وجد وعلی رب المنزل أن یؤویہ شاء أوأبی. وقال ذلک سفیان الثوریؒ وغیرہ ۔'' (قرطبی) (۲)

یہ رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور بعد تک کے زعماء اُمت کی رہی ہے، یعنی حرم مکی بلکہ یہاں کی اراضی اور عمارتوں کی ملکیت میں ''عاکف'' (مقامی) اور ''باد'' (غیر مقامی) دونوں برابر کے حق دار ہیں، اسی لیے کسی سے کسی رہائش کا کرایہ وغیرہ لینا بھی ان حضرات کے ہاں ناجائز اور ظلم ہے، یہ کرایہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی صاحب خانہ سے اپنے گھر میں رہنے کا کرایہ مانگنا، ظاہر ہے کہ یہ کرایہ نہیں بلکہ ناجائز ٹیکس بنتا ہے جو کہ ظلم ہے۔ اس رائے کی رو سے حرم کی ساری عمارتیں ''سرکاری سرائے'' اور ''رباط'' کے طور پر استعمال ہونی چاہئیں، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کہ انہوں نے اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''الَّذِیْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ الخ'' جیسی قرآنی آیت اور دیگر مختلف جوازی دلائل کی بنا پر مکہ مکرمہ کی اراضی اور ذاتی عمارتوں پر مالکانہ حقوق کو جائز تسلیم فرمایا اور ملکیتی عمارتوں کے کرایہ لینے کی اجازت دی اور دوسری صدی سے لے کر تا حال حرم کے آس پاس کی عمارتوں کے کرائے کا جواز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوازی فتوی کے مرھون منت ہے اور حرم سے لے کر دنیا کے اطراف تک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ کو ''تلقی بالقبول'' حاصل ہے۔ (۳) اس لیے مکہ کی رہائشی عمارتوں کی کرایہ داری پر کسی کو اشکال نہیں رہا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ میں جہاں اُمت مسلمہ کی سہولت ہے وہاں حرم اور اہل حرم کا فائدہ بھی ہے، اس لیے اس ''حنفی مسلک'' پر کبھی کسی کو تشویش نہیں ہوئی اور نہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی کا روایات وآثار سے تقابل فرمایا گیا، بلکہ اس کے مقابلے میں مکہ کی عمارتوں کی کرایہ داری کو ناجائز بتانے والی تمام مرفوع روایات، آثار اور ائمہ کے اقوال کو ''أُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ'' والی آیات اور فعلی اجماع کے ذریعہ مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ حرم کی عمارتوں کے کرایہ کی ممانعت بتانے والی روایات کا حوالہ دینے کا یہاں مقصد صرف اتنا ہے کہ حرم شریف سے متعلق امت مسلمہ کا مشترکہ مالکانہ استحقاق بھی علمائے اُمت کے ایک طبقے کے ہاں بڑے دلائل سے منوایا گیا ہے، گوکہ یہ قول مرجوح سہی، مگر اتنا ضرور ماننا پڑے گا تعامل اُمت اور تلقی اُمت بھی شرعی احکام میں کچھ نہ کچھ مقام ضرور رکھتے ہیں۔

''سواءنِ العاکف فیہ والباد'' میں جس مساوات کا بیان ہے اس میں ایک قول تو وہی ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی، اس مساوات کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ حرمین میں عبادت کے استحقاق میں سارے مسلمان برابر ہیں۔ عبادت کے حق میں ''عاکف'' اور ''باد'' کی مساوات اور برابری

میں کسی کا ادنیٰ اختلاف بھی نہیں ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس دوسرے قول کو ذکر فرماتے ہیں:

''القول الثانی: المراد جعل اللّٰہ الناس فی العبادۃ فی المسجد سواء لیس للمقیم أن یمنع البادی وبالعکس قال علیہ السلام: ''یابنی عبد مناف! من ولی منکم من أمور الناس شیئاً فلا یمنعن أحداً طاف بھذا البیت أوصلی أیۃ ساعۃ من لیل أونھار۔'' وھذا قول الحسنؒ و مجاھدؒ وقول من أجاز بیعَ دور مکۃ۔''(۴)

اس تقریر کا مدعا یہ ہے کہ حرم آنے والے مسلمان کو کسی بھی طور پر منع کرنا یا اس کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنا شرعاً جائز نہیں، بلکہ یہ عمل مسجد حرام سے روکنے کے مترادف ہے جس کی شناعت و ممانعت خود آیت بالا ''وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ۔''(۵) اور ''صد عن المسجد الحرام'' جیسی دیگر آیات میں موجود ہے۔

بنا بریں سعودی حکومت کی عمرہ پالیسی میں سر دست دو اُمور انتہائی قابل غور ہیں: ۱:...... ویزا فیس جبکہ ویزے پر ''مجاناً'' لکھا ہوتا ہے۔ ۲:...... ایک سال یا تین سال کے دوران دوسرا عمرہ کرنے والے پر دو ہزار سعودی ریال کی ادائیگی کو لازم قرار دینا۔

حج یا عمرہ کے ویزے پر علانیہ یا غیر علانیہ فیس وصول کرنے کو درج بالا نصوص کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حرم کی قریبی عمارتوں میں رہائش کی فیس سے زیادہ سنگین ہے، بلکہ براہِ راست عبادت یا ارادۂ عبادت پر ٹیکس کے مترادف ہے۔ ایسا ٹیکس اگر مسلمان حاکم کی طرف سے کسی غیر مسلم کے اپنے عبادت خانہ جانے پر مقرر کیا جائے تو وہ بھی بالاتفاق حرام ہے،(۶) چہ جائیکہ کسی مسلمان سے حرم جانے پر ٹیکس عائد کیا جائے، شاید اسی وجہ سے سعودی حکومت عمرہ اور حج کے ویزے پر ''مجاناً'' کا لفظ رقم کرنے کا اہتمام کرتی چلی آرہی ہے، مگر اب بعض ٹریول کمپنیوں اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اپرول یا ویزہ لگوانے کے لیے جو رقم وصول کی جاتی ہے اس میں سے سعودی حکومت کے پاس بھی کچھ جمع کرانا ہوتا ہے، جس میں حج وعمرہ پر فیس وصول کرنے کی ذاتی قباحت پر مستزاد عبادت کو تجارت کا ذریعہ بنانے کی خرابی بھی لازم آرہی ہے، جو کہ خلافِ شرع ہونے کے علاوہ اُمت مسلمہ اور سعودی حکومت کے درمیان بداعتمادی، بدگمانی اور نفرت کا ذریعہ بن رہی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حج وعمرہ کے ویزوں کو آمدن کا ذریعہ بنانا سعودی حکومت کی ضرورت ہے نہ حکام بالا اس سے باخبر ہیں۔ اگر ہمارا حسن ظن درست ہو تو سعودی حکومت کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔

ممکن ہے ویزہ فیس کو انتظامی خدمات کا معاوضہ قرار دیا جاتا ہو تو اس کی گنجائش ماننے کے باوجود یہ اشکال بالکلیہ رفع نہیں ہوسکتا کہ ''حرم'' جانا ہر مسلمان کا حق ہے اور اس حق تک رسائی کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنا جائز نہیں ہے، بلکہ رکاوٹ کو دور کرنا متعلقہ حکومت کا فریضہ ہے۔ یہ فریضہ حرمین شریفین کی تولّیت کی وجہ سے سعودی حکومت کا فرض منصبی ہے، اسی کی بدولت تو سعودی حکومت کو حق حکمرانی

حاصل ہے۔ اتنا بڑا معاوضہ ملنے کے باوجود حج وعمرہ کے ویزہ کی معمولی فیسوں کو لازم قرار دینا یقیناً سعودی حکومت کی ضرورت بھی نہیں ہوسکتا۔

عمرہ فیس سے بڑھ کر محلِ اشکال تین سال یا ایک سال میں مکرر عمرہ کرنے والے معتمرین پر دو ہزار سعودی ریال کی ادائیگی کو لازم قرار دینا ہے۔ دو ہزار ریال کی بابت تاوقتِ تحریر متعدد متضاد خبریں سامنے آچکی ہیں، آخری اطلاع کے مطابق دو ہزار سعودی ریال کی ادائیگی کو تین سال کے عرصہ کے ساتھ مشروط کرنے کی پالیسی واپس لے لی ہے، جبکہ ایک سال کے دوران مکرر عمرہ کرنے والوں پر دو ہزار ریال کا لزوم اب بھی باقی ہے، ممکن ہے آگے چل کر ایک سال کے دوران متعدد عمرے کرنے والوں کو بھی رعایت مل جائے۔ تین سال سے ایک سال کی طرف آنا خوش آئند ہے، یہ نیک شگون ہے کہ سعودی حکومت نے اپنی پالیسی کو قابل ترمیم سمجھا، اس پر ہم سعودی حکومت کے مشکور ہیں۔

مگر یہاں دو باتیں بڑی اہم ہیں، ایک یہ کہ دو ہزار ریال کی شرط اور اس کی وصولی کی فقہی و شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ فیس شریعت، قانون اور اخلاق کی رو سے درست نہ ہو تو سعودی حکومت جسے اُمت مسلمہ ملوکیت کی بجائے اسلامی حکومت سمجھتی ہے، اس کی طرف سے اس طرح کے فیصلے کیسے سرزد ہوتے ہیں؟ ایسی پالیسی بنانے والے کون لوگ ہیں اور ان کے مقاصد کیا ہوسکتے ہیں؟

یہ کہنا تو قطعی غلط ہوگا کہ اتنے بڑے اقدامات کے پیچھے شریعت و قانون سے ناواقفیت کارفرما ہے، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ سعودی حکومت کے پالیسی ساز اداروں میں بھی سعودی حکومت کے بعض ایسے بدخواہ موجود ہیں جو سعودی حکومت اور اُمتِ مسلمہ کے درمیان غلط فہمی، دوری، بداعتمادی اور بدگمانی پھیلانے پر کمربستہ ہیں اور ان بدخواہوں کی کارستانی اور ان کے عزائم سے حکام بالا پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔

حرم جانے پر فیس مقرر کرنا ٹیکس ہے

جہاں تک دو ہزار ریال کی ادائیگی کا تعلق ہے، اس کی فقہی حیثیت میں کئی احتمال گنوائے جاسکتے ہیں، مثلاً: تبرع، عطیہ، ٹیکس یا جرمانہ! ایک سال میں دو مرتبہ عمرہ کرنے پر دو ہزار ریال کی ادائیگی اگر اختیاری ہو جبری نہ ہو تو پھر اُسے تبرع وعطیہ کہا جاسکتا تھا، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے تو اب اس شرط کو ٹیکس یا جرمانہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ اگر ٹیکس قرار دیں تو یہ تاریخ کا وہ پہلا ٹیکس کہلائے گا جو کسی مسلمان حکمران کی طرف سے کسی عبادت کی ادائیگی پر عائد کیا گیا ہو، شریعتِ اسلامیہ کی رو سے مسلمان حکومت کے لیے حرام ہے کہ وہ غیر مسلموں سے ان کی عبادت گاہوں پر ٹیکس عائد کرے یا ان کی عبادتوں کی ادائیگی پر مالی یا انتظامی طور پر کوئی رخنہ ڈالے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو غیر مسلموں کے رہائشی گھروں کو بھی مالی لگان سے مستثنیٰ رکھنے کا حکم جاری فرما رکھا تھا، الغرض اگر کافروں پر اس نوعیت کا ٹیکس حرام ہے تو مسلمانوں پر

مسلمان حکمرانوں کی جانب سے حرمین جانے پر ٹیکس عائد کرنا کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر جائز ہوسکتا ہے؟ بلکہ یہ پالیسی تو حدیبیہ کے مقام پر ''اس سال نہیں، آئندہ سال'' کی شرط اور پابندی کے مترادف ہے اور ''منع عن المسجد الحرام ''اور''صد عن المسجد الحرام '' کی صریح حرمت کے تحت صراحۃً داخل ہوسکتی ہے، بلکہ ''وَمَا لَهُمْ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' (الانفال:۳۴) کی رو سے عذابِ خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، جبکہ اس وقت پوری اسلامی دنیا اور سعودیہ کے لیے زمینی اور آسمانی عذابوں سے بچنے کی تدابیر سوچی جارہی ہیں۔ (۷)

مجوزہ فیس مالی جرمانہ کی شکل ہے

اگر زائرینِ حرمین پر دو ہزار ریال یا اس جیسی مالی پابندی اس وجہ سے عائد کی جائے کہ وہ بار بار حرمین کیوں جاتے ہیں؟ ان کی وجہ سے رش ہوتا ہے، یہ رقم عائد کرنے سے بار بار آنے والوں کی روک تھام ہوسکے گی، بار بار آنا گویا کہ بزبانِ حال جرم ہے، یہ رقم اس جرم کی مالی سزا ہے تو ایسی سزا مقرر کرنے والے پالیسی سازوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ فقہی اصطلاح میں اسے ''تعزیر مالی'' یا ''غرامہ مالیۃ'' یعنی مالی جرمانہ کہا جاتا ہے جو کہ کسی واقعی شرعی جرم کی سزا کے طور پر عائد کیا جائے تو بھی حرام ہے، چہ جائیکہ کسی بڑی عبادت کو جرم قرار دے کر اس کی ادائیگی پر عائد کیا جائے۔ اگر کوئی مالی جرمانے اور عبادت پر جرمانے کو جائز سمجھتا ہو تو اسے باور کرایا جائے کہ کم از کم فقہ حنفی میں تو مالی جرمانہ کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ فقہ حنفی میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ مالی جرمانہ کی اگر کہیں گنجائش ملتی بھی ہو تو حاکمانِ وقت سے ایسی گنجائشوں کو چھپائے رکھنا ضروری ہے، تاکہ عوام پر ظلم کا جواز نہ بناسکیں۔ (۸)

بکثرت حج وعمرے کرنا اسلاف کا معمول ہے

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حرم جانا عبادت ہے جرم نہیں، اسلاف کے تراجم میں کثرتِ حج وعمرہ کو باقاعدہ منقبتی فضیلت میں شمار کیا جاتا ہے۔ ''حجّ بين كذا وكذا حجة وعمرة'' کے الفاظ سے بکثرت حج وعمرہ کرنے والوں کا امتیاز ذکر کیا جاتا ہے۔ خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچپن حج وعمرے کیے تھے، اس لیے اگر سعودی حکومت ہر حال میں دو ہزار ریال یا اور شکل میں حاجیوں پر مالی بوجھ ڈالنا چاہتی ہے اور اس کے پالیسی ساز اس کو جائز بھی قرار دیتے ہوں تو کم از کم یہ پابندی حنفی حاجیوں پر عائد نہیں ہوسکتی، وہ اپنے مسلک کی رو سے اس پابندی سے نہ صرف آزاد ہیں بلکہ ناجائز بھی سمجھتے ہیں۔ اس لیے کم از کم مسلکی احترام کی خاطر حنفی حاجیوں اور معتمرین کو حج وعمرہ کے حوالے سے ہر قسم کی فیس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

حوالہ جات

۱:...... إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ

وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ .قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما نزلت الآية فی أبی سفيان بن حرب وأصحابه حين صدوا رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیه وسلم) عام الحديبية عن المسجد الحرام عن أن يحجوا ويعتمروا وينحروا الهدی فكره رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیه وسلم) قتالهم وكان محرماً بعمرة ثم صالحوه علی أن يعود فی العام القابل المسألة الثانية العاكف المقيم به الحاضر والبادی الطارئ من البدو وهو النازع إليه من عربته وقال بعضهم يدخل فی العاكف القريب إذا جاور ولزمه للتعبد وإن لم يكن من أهله

المسألة الثالثة اختلفوا فی أنهما فی أی شیء يستويان قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما فی بعض الروايات إنهما يستويان فی سكنی مكة والنزول بها فليس أحدهما أحق بالمنزل الذی يكون فيه من الآخر إلا أن يكون واحد سبق إلی المنزل وهو قول قتادة وسعيد بن جبير ومن مذهب هؤلاء أن كراء دور مكة وبيعها حرام واحتجوا عليه بالآية والخبر أما الآية فهی هذه قالوا إن أرض مكة لا تملك فإنها لو ملكت لم يستو العاكف فيها والبادی فلما استويا ثبت أن سبيله سبيل المساجد وأما الخبر فقوله عليه السلام (مكة مباح لمن سبق إليها)...... وعلی هذا المراد بالمسجد الحرام الحرم كله لأن إطلاق لفظ المسجد الحرام والمراد منه البلد جائز بدليل قوله تعالی سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الإسراء: ۱)وههنا قد دل الدليل وهو قوله الْعَاكِفُ لأن المراد منه المقيم إقامة وإقامته لا تكون فی المسجد بل فی المنازل فيجب أن يقال ذكر المسجد وأراد مكة القول الثانی المراد جعل اللّٰہ الناس فی العبادة فی المسجد سواء ليس للمقيم أن يمنع البادی وبالعكس قال عليه السلام (يا بنی عبد مناف من ولی منكم من أمور الناس شيئاً فلا يمنعن أحداً طاف بهذا البيت أو صلی أية ساعة من ليل أو نهار....... وهذا قول الحسن ومجاهد وقول من أجاز بيع دور مكة وقد جرت مناظرة بين الشافعی وإسحق الحنظلی بمكة وكان إسحق لا يرخص فی كراء بيوت مكة واحتج الشافعی رحمه اللّٰہ بقوله تعالی الَّذِينَ أُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ (الحج: ۴۰)فأضيفت الدار إلی مالكها وإلی غير مالكها وقال عليه السلام يوم فتح مكة (من أغلق بابه فهو آمن)وقال(صلی اللّٰہ علیه وسلم) (هل ترک لنا عقيل من ربع). (مفاتيح الغيب،للإمام العالم العلامة والحبر البحر الفهامة فخر الدين محمد بن عمر التميمی الرازی الشافعی، ط:دار الكتب العلمية بيروت ۱۴۲۱ھ)

۲:...... وروی عن عمرؓ وابن عباسؓ وجماعة ’’إلی أن القادم له النزول حيث وجد ، وعلی رب المنزل أن يؤويه شاء أو أبی۔ وقال ذلک سفيان الثوری وغيره ، وكذلک كان الأمر فی الصدر الأول ، كانت دورهم بغير أبواب حتی كثرت السرقة ؛ فاتخذ رجل بابا فأنكر عليه عمر وقال :أتغلق بابا فی وجه حاج بيت اللّٰہ ؟ فقال: إنما أردت حفظ متاعهم من السرقة ، فتركه فاتخذ الناس الأبواب. وروی عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه أيضا أنه كان يأمر فی الموسم بقلع أبواب دور مكة ، حتی يدخلها الذی يقدم فينزل حيث شاء ، وكانت الفساطيط تضرب فی الدور. وروی عن مالک أن الدور ليست كالمسجد ولأهلها الامتناع منها والاستبداد ؛ وهذا هو العمل اليوم. وقال بهذا جمهور من الأمة .

وروی الدارقطنی عن علقمة بن نضلة قال: توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وأبو بكر وعمر رضی اللّٰہ عنهما وما تدعی رباع مكة إلا السوائب ؛ من احتاج سكن ومن استغنی أسكن. وزاد فی رواية: وعثمان. وروی أيضا عن علقمة بن نضلة الكنانی قال: كانت تدعی بيوت مكة علی عهد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وأبی بكر وعمر رضی اللّٰہ عنهما السوائب ، لا تباع من احتاج سكن ومن استغنی أسكن. وروی أيضا عن عبد اللّٰہ بن عمرو عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إن اللّٰہ تعالی حرم مكة فحرام بيع رباعها وأكل ثمنها – وقال – من أكل من أجر بيوت مكة شيئا فإنما يأكل نارا. (الجامع لأحكام القرآن،أبو عبد اللّٰہ محمد بن أحمد بن أبی بكر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدين القرطبی، ج:۱۲،ص:۳۲، ط:دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

۳:...... وقال أبو حنيفة: لابأس ببيع بناء بيوت مكة وأكره بيع أراضيها وروی سليمان عن محمد عن أبی حنيفة قال: أكره إجارة بيوت مكة فی الموسم ، وفی الرجل يقيم ثم يرجع فأما المقيم والمجاور فلانری بأخذ ذلک منهم بأساً، وروی الحسن بن زياد عن أبی حنيفة أن بيع دور مكة جائز. (احكام القرآن للجصاص، ج:۳، ص: ۲۲۹، ط: دارالكتاب العربی)

۴:...... القول الثانی المراد جعل اللّٰہ الناس فی العبادة فی المسجد سواء ليس للمقيم أن يمنع البادی وبالعكس. (مفاتيح الغيب،للإمام العالم العلامة والحبر البحر الفهامة فخر الدين محمد بن عمر التميمی الرازی الشافعی،ط: دار الكتب العلمية – بيروت– ج:۲۳،ص:۲۲)

وروی سعيد بن جبير عن بن عباسؓ قال: كانوا يرون الحرم كله مسجدا سواء العاكف فيه والبادی وروی يزيد بن أبی

زیاد عن عبد الرحمن بن سابط سَواءً الْعاكِفُ فِيهِ وَالْبادِ قال من يجيء من الحاج والمعتمرين سواء فی المنازل ينزلون حيث شاء وا غير أن لا يخرج من بيته ساكنه قال وقال ابن عباس فی قوله سَواءً الْعاكِفُ فِيهِ وَالْبادِ قال العاكف فيه أهله والباد من يأتيه من أرض أخرى وأهله فی المنزل سواء وليس ينبغی لهم أن يأخذوا من البادی إجارة المنزل وروى جعفر بن عون عن الأعمش عن إبراهيم قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم مكة حرمها الله لا يحل بيع رباعها ولا إجارة بيوتها. (الكتاب: أحكام القرآن للجصاص،أحمد بن علی المكنی بأبی بكر الرازی الجصاص الحنفی، ج:۵، ص: ۶۱، ط: دار إحياء التراث العربی– بيروت)

۵:...... وثالثها أنها نزلت فی مشركی العرب الذين منعوا الرسول عليه الصلاة والسلام عن الدعاء إلى الله بمكة وألجؤه إلى الهجرة فصاروا مانعين له ولأصحابه أن يذكروا الله فی المسجد الحرام وقد كان الصديق رضی الله عنه بنی مسجداً عند داره فمنع وكان ممن يؤذيه ولدان قريش ونساؤهم...المسألة الخامسة السعی فی تخريب المسجد قد يكون لوجهين أحدهما منع المصلين والمتعبدين والمتعهدين له من دخوله فيكون ذلک تخريباً. (مفاتيح الغيب،للإمام العالم العلامة والحبر البحر الفهامة فخر الدين محمد بن عمر التميمی الرازی الشافعی، ج:۴ ،ص: ۹، ط: دار الكتب العلمية– بيروت ۱۴۲۱ھ)

۶:...... وأما إجارة البيوت فإنما أجازها أبو حنيفة إذا كان البناء ملكاً للمؤاجر فيأخذ أجرة ملكه فأما أجرة الأرض فلاتجوز وهو مثل بناء الرجل فی أرض لآخر يكون لصاحب البناء إجارة البناء . (احكام القرآن للجصاص، ج:۳، ص: ۲۳۰، ط: دارالكتاب العربی، بيروت)

۷:......قوله تعالى وما لهم ألا يعذبهم الله وهم يصدون عن المسجد الحرام وهذا العذاب غير العذاب المذكور فی الآية الأولى لأن هذا عذاب الآخرة والأول عذاب الاستيصال فی الدنيا. (أحكام القرآن للجصاص،أحمد بن علی المكنی بأبی بكر الرازی الجصاص الحنفی ، ج:۴،ص:۲۲۸، ط :دار احياء التراث العربی- بيروت ۱۴۰۵ھ)

۸:......فی الخلاصة والخانية للتعزير بأخذ المال أن رأى القاضی أو الوالی جاز ، من جملة ذلک من لايحضر الجماعة يجوز التعزير بأخذ المال ، انتهٰی. إلا أن رواية جواز التعزير بأخذ المال ينبغی أن لايطلع عليه سلاطين زماننا لأنهم بعد الاطلاع قد يجاوزون حد الأخذ بالحق إلى التعدی بالباطل. (المتانة، ج:۲، ص: ۵۴۶، ط: مكتبه عمريه ، كوئٹه)